R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

ٹیلی فون

جلد ۲۵ ۔ شمارہ ۳۳ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم ستمبر ۱۹۶۶ء

اداریہ

اردو دوستوں کے لیے لمحۂ فکریہ

جیسے جیسے الیکشن قریب آتا جاتا ہے ملک میں ایک ہیجانی کیفیت بڑھتی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ پانچ سال کے بعد پھر ملک کے عوام کو اپنا جمہوری حق استعمال کرنے اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے نمائندوں کی حکومت بنانے کا موقع ملنے والا ہے۔ اس وقت ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ ایماندار، قابل، ملک و قوم کے مفاد کو مدنظر رکھنے والے، جمہوریت کے اصولوں پر چلنے والے، سیکولرازم کو ماننے والے، سماجی انصاف کی طرف ملک کو لے جانے والے نمائندے منتخب کرے کیونکہ انھیں نمائندوں کو حکومت بنانے اور اسے چلانے کا موقع ملے گا اور پانچ سال تک ملک کی قسمت ان کے ہاتھوں میں ہوگی۔

الیکشن کے بخار میں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ہمارا ملک اس وقت ایک نازک دور سے گزر رہا ہے۔ ہم نے پچھلے اٹھارہ انیس برس میں خاصی ترقی بھی کی ہے مگر ہماری آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے کیونکہ ہم نے خاصے بڑے پیمانے پر مہلک بیماریوں کو روکا ہے۔ ہماری قومی دولت میں اضافہ ہوا ہے، مگر ہماری پیداوار ہماری آبادی کی نسبت سے نہیں بڑھی ہم اپنی غذا کے لیے اب بھی بیرونی امداد کے ذریعے محتاج ہیں۔ ہمیں اب بھی بہت سا مال منگانا پڑتا ہے اور ہم جو مال باہر بھیجتے ہیں وہ اس کے مقابلے میں کم ہوتا ہے۔ ہمیں بجلی پیدا کرنے کے لیے، غلہ اگانے کے لیے، ملک کو خودکفیل بنانے کے لیے، فوجی بچاؤ کے لیے، صنعتی ترقی کے لیے بھاری رقمیں خرچ کرنا پڑتی ہیں۔ ہمارے ہمسایہ ملکوں میں چین اور پاکستان اب تک ہماری امن پسندی، ہمارے سیکولرزم، ہمارے جمہوری نظام کی روح کو نہیں سمجھے اور ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے سرحد پر ہمیں بہت سی فوج رکھنی پڑتی ہے۔ ہمارے سرکاری افسر زیادہ ہیں قوم کے خادم کم۔ ہمارے نوجوانوں میں جو بے چینی ہے وہ تشدد کا خطرناک راستہ اختیار کر رہی ہے۔ ہمارے لیڈر، محدود اور جذباتی وفاداریوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ کہیں ریاستوں کی سرحد کا جھگڑا ہے، کہیں لسانی بنیادوں پر ریاستوں کی تقسیم کا سوال ہے، کہیں نئی صنعتی اسکیموں پر کشمکش ہو رہی ہے، روزمرہ کی چیزیں روز بروز مہنگی ہوتی جاتی ہیں، گرانی بڑھ رہی ہے۔ غرض ملک کے سامنے بہت سے اندرونی اور بیرونی مسائل ہیں۔ یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ کسی وقت حالات اتنے بگڑ جائیں کہ پھر کوئی نئی جنگ شروع ہو جائے۔

ان حالات میں اس الیکشن میں تمام افراد کو اور اس طرح پوری قوم کو خاصی ذمے داری اور سنجیدگی اور تدبر کا ثبوت دینا ہے۔ ہمیں ہر مسئلے کو قومی نقطۂ نظر سے دیکھنا پڑے گا۔ ایک طرف ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ دستور نے جو حقوق ہمیں دیے ہیں اُن سے فائدہ اٹھانے کی ہمیں عملی دنیا میں آسانی ہے یا نہیں اور وہ صرف کاغذ پر تو نہیں ہیں، دوسری طرف یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ہمارے مطالبات مجموعی طور پر ایسے تو نہیں ہیں کہ اگر ہر طرف سے اس قسم کے مطالبات پیش ہونے لگیں تو اول تو ملک ان کو پورا نہ کر سکے اور دوسرے ان کے پورا کرنے سے نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوں۔

جہاں تک اردو دوستوں کا تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ دستور نے جو حقوق ہمیں دیے ہیں ان سے روزمرہ زندگی میں ہم فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ اس کی ذمے داری تمام تر اکثریت اور ان کے نمائندوں پر ہے۔ دستور میں صاف لکھا ہے کہ ہر شخص کسی زبان میں جو ملک میں یا ریاست میں استعمال ہوتی ہے اپنی شکایات رفع کرانے کے لیے کسی افسر یا کسی ذمے دار ہستی کو مرکز یا ریاست میں عرضی دے سکتا ہے (دفعہ ۳۵۰) لیکن عام طور پر بہت سے ایسے افسر ہیں جو اردو میں عرضی لینے کو تیار نہیں ہوتے۔ اس طرح دستور کے مطابق ہر ریاست کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ لسانی اقلیتوں کے بچوں کو ان کی مادری زبان میں ابتدائی منزل پر تعلیم دینے کا انتظام کرے (دفعہ ۳۵۰ الف) لیکن ظاہر ہے کہ ریاستی حکومتوں نے جو کوشش کی ہے وہ بہت معمولی اور سطحی ہے۔ اسی طرح مرکز کا فرض ہے کہ وہ ہندی کو پھیلانے اور عام کرنے کے لیے اس طرح قدم اٹھائے کہ ہندی ہندوستان کی مشترک تہذیب کے تمام عناصر کے لیے ذریعۂ اظہار کا کام دے سکے اور پھر ہندی کو اس طرح مالا مال کرے کہ بغیر اس کے مزاج کو مجروح کیے اس میں ہندوستانی کے اصناف، اسالیب اور اصطلاحات اور ان زبانوں کے اصناف، اسالیب اور اصطلاحات جن کا ذکر آٹھویں شیڈول میں کیا گیا ہے، جذب ہو سکیں اور جہاں تک ضروری یا مناسب ہو اولاً سنسکرت سے اور ثانیاً دوسری زبانوں سے اس کے لیے ذخیرہ الفاظ فراہم کیا جائے (دفعہ ۳۵۱) اس معاملے میں بھی دستور کی ہدایات کی پابندی نہیں ہو رہی ہے۔ ہندوستانی کے اصناف و اسالیب ...

جو فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے نہیں اٹھایا گیا اور اسی طرح اردو سے جو آٹھویں شیڈول کی زبانوں میں سے ایک زبان ہے ہندی کی تعبیر میں قابل ذکر کام نہیں لیا گیا۔ دستور کی دفعہ ۲۹ کے مطابق ہر شہری کو اپنی زبان، رسم خط یا تہذیب کی حفاظت کرنے کا حق ہے۔ مذہب یا زبان کی وجہ سے کسی تعلیمی ادارے میں کسی کے داخلے کو نہیں روکا جاسکتا پھر اقلیتوں کو خواہ وہ مذہب کی بنیاد پر ہوں یا زبان کی بنیاد پر اپنے ادارے قائم کرنے اور چلانے کا اختیار ہے اور ان کی حکومت کو ویسی ہی امداد کرنی ہوگی جیسی دوسرے عام اداروں کی ہوتی ہے (دفعہ ۳۰)۔ مگر اب تک ان میں سے کسی کی پوری پابندی نہیں ہوسکی ہے۔ اس لیے ہمارا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ سیاسی پارٹیوں سے دستور کی ان دفعات کی پابندی کے متعلق واضح اعلانات حاصل کریں اور پھر یہ دیکھیں کہ کون سیاسی پارٹی اپنی تاریخ، اپنے کارنامے، اپنے مقاصد، اپنے پروگرام اور اپنے عمل کی روشنی میں ان اعلانات کی پابندی واقعی کرسکتی ہے اور کب سے کراسکتی ہے۔ یعنی سوال خالی خولی لمبے چوڑے وعدوں کا نہیں، ان وعدوں کو پورا کرنے کی صلاحیت کا ہے۔ پھر سوال ہماری اپنی صلاحیت کا بھی ہے کہ ہم ان وعدوں کو پورا کرانے کے لیے کیا کرسکتے ہیں۔ اس پر ہم اگلی دفعہ روشنی ڈالیں گے۔

(باقی)

برطانوی اخبار میں اردو

انگلستان کے صنعتی شہر برمنگھم سے ایک کثیر الاشاعت روزنامہ اخبار "برمنگھم ایوننگ پوسٹ" نکلتا ہے۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ شہر مذکور اور اس کے قرب وجوار کے علاقوں میں اسی ہزار کے قریب ہندوستانی و پاکستانی باشندے جن کی زبان اردو ہے آباد ہوگئے ہیں ہر سنیچر کی اشاعت میں ایک کالم اردو زبان بہ رسم خط میں خبروں کی اشاعت کے لیے مخصوص کردیا ہے۔ (ریاست جدید)

منشاء الرحمٰن خاں منشا کی قومی نظم پر انعام

آل انڈیا ریڈیو کی طرف سے حب الوطنی کے موضوع پر نظم نگاری کا جو کل ہند مقابلہ ہوا تھا اس میں مہاراشٹر کے ہردلعزیز شاعر جناب منشاء الرحمٰن خاں منشا کی اردو نظم کو انعام سوم کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ (ایک نامہ نگار)

"امکان" بہت جلد شائع ہونے والی ہے

اورنگ آباد۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کی جانب سے جدید ذہن کی نمائندہ تخلیقات کا انتخاب 'امکان' کے نام سے جلد شائع ہونے والا ہے۔ اس میں ۱۹۵۵ء کے بعد کی نئی شاعری اور نیا افسانہ کے بہترین نمونے شامل ہوں گے۔ اس کتاب کو سکندر علی وجد، قاضی سلیم، جوگندر پال اور اختر فاروقی مرتب کر رہے ہیں۔

اس کتاب کے سلسلے میں مزید معلومات کے لیے مندرجہ پتہ پر ربط قائم کیجیے :-

اختر فاروقی کنوینر اشاعت کمیٹی
انجمن ترقی اردو ہند اورنگ آباد، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

زبیر رضوی کی انجمن ترقی پسند مصنفین سے علحدگی

دہلی۔ ۱۵ اگست۔ زبیر رضوی نے ایک تحریری اخباری بیان میں انجمن ترقی پسند مصنفین دہلی سے اپنی علحدگی کا اعلان کیا ہے۔ زبیر رضوی انجمن کی دہلی شاخ کے سکریٹری تھے۔ انھوں نے اپنے بیان میں انجمن کی شاخ سے علحدگی کے اسباب کی وضاحت بھی کی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق اس سلسلے میں ان کا ایک تفصیلی مضمون ماہنامہ 'کتاب' لکھنؤ میں بھی عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

(مرسلہ زبیر رضوی)

کتابوں کا پہلا قومی میلہ بمبئی میں ۵ نومبر سے شروع ہوگا

نئی دہلی ۱۰ اگست۔ بمبئی میں ۵ نومبر سے ۲۰ نومبر ۱۹۶۶ء تک ہونے والے کتابوں کے پہلے قومی میلہ میں داخلہ کے لیے نیشنل بک ٹرسٹ آف انڈیا نے کتابیں مانگی ہیں۔ نمائش کے لیے کتابیں اور اسٹالوں کے لیے یا تو [illegible] درخواست دینا ضروری ہے۔ اس نمائش میں ہندوستانی زبانوں اور انگریزی میں جنوری ۱۹۶۲ء کے بعد شائع ہوئی چیدہ چیدہ کتابیں شامل ہوں گی۔ نمائش میں ایک گوشہ آثار قدیمہ کے علم سے متعلق تمام زبانوں کی کتابوں کے لیے مخصوص ہوگا۔ ایک دوسرے گوشہ میں آرٹ کے موضوع پر کتابیں رکھی جائیں گی۔ بچوں کی دلچسپی کی کتابوں کو بھی نمائش میں رکھنے کی تجویز ہے۔ اسٹالوں میں کتابوں کو نمائش اور فروخت دونوں کے لیے رکھا جائے گا۔

میلے کے آخری روز نمائش میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والوں کو ایک موزوں تقریب میں انعام دینے کی بھی تجویز ہے۔ (الجمعیۃ، دہلی)

ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ پر جمیل جالبی کی نئی کتاب

ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ ممتاز ادیب و نقاد جمیل جالبی کی "ایلیٹ کے مضامین" کے بعد ایلیٹ کے متعلق نئی کتاب جس میں ایلیٹ کے پانچ تنقیدی مضامین، ایک ڈرامہ کا ترجمہ، نیز دو مضامین ایلیٹ کے بارے میں اور آٹھ نادر و نایاب تصاویر بھی شامل ہیں، مشتاق بک ڈپو، نزد اردو کالج شیلڈن روڈ، کراچی ۱ سے عنقریب شائع ہو رہی ہے۔

(ایک نامہ نگار)

اسلامی ثقافت میں ڈاکٹریٹ

سینٹ زیویرس کالج بمبئی کے شعبۂ اردو اور اسلامی ثقافت کے صدر پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر ایم۔ اے نے ایک مقالہ بعنوان "فارسی کا اثر ہندوستانی زندگی اور ادب پر" بمبئی یونیورسٹی میں داخل کیا جسے یونیورسٹی نے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے منظور کیا۔ پروفیسر گوریکر نے یہ مقالہ اپنے طور پر تیار کیا اور یونیورسٹی میں آپ پہلے ہیں جنھوں نے اسلامی ثقافت میں ڈاکٹریٹ حاصل کیا ہے۔

(نامہ نگار)

ابو علی اعظم گڑھ

الہلال کے دو مختلف فیہ مضمون

مولانا ابوالکلام آزاد کی طرف منسوب کتنے مضامین ہیں جن کی ملکیت پر صحافتی و ادبی حلقوں میں ایک نزاع برپا ہے، ان ہی متنازع فیہ مضامین میں ایک سلسلۂ مضمون دوسرے دور کے الہلال کا جبکہ اس کو مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی فاضل مترایڈیٹ کرتے تھے: "انسانیت موت کے دروازہ پر" بھی ہے، جس کو مولانا ابوالکلام آزاد کا سمجھ کر عام ناشرین و اہل مطابع ان کی طرف منسوب کر کے چھاپ رہے ہیں اور فائدہ اٹھا رہے ہیں، وہ مضمون مولانا ابوالکلام کا نہیں ہے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کا ہے، جس کی تصدیق ان کی زندگی کی آخری کتاب "ذکر آزاد" سے بھی ہوتی ہے، جس کو مولانا عبدالرزاق کے بعد ان کے لائق صاحبزادے احمد سعید صاحب ایڈیٹر روزنامہ ہند جدید کلکتہ نے اسکولی تقطیع پر نہایت اہتمام سے شایع کیا ہے، یہ ذکر مولانا آزاد سے کہیں زیادہ درحقیقت ذکر صاحب ملیح آباد ہے، جس میں انھوں نے مولانا کے ساتھ اپنی ۳۸ سالہ طویل رفاقت و ہم صحافتی کی داستان بیان کی ہے، اس میں انھوں نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ

> "الہلال تو میں خود ایڈٹ کرتا تھا لیکن الہلال پر چونکہ اس کے دور اوّل سے دستور چلا آرہا تھا، میرا نام نہیں چھپتا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ عالم انسانیت موت کے دروازہ پر کے عنوان سے جتنے مضمون میرے قلم سے نکلے (اور جو بہت پسند کیے گئے اور خوب پڑھے گئے) لوگوں نے ان مضامین کو مولانا کی تصنیف قرار دے کر کتابی صورت میں شایع کر دیا"

اس سے بھی زیادہ ایک عجیب بات صاحب ذکر آزاد نے مولانا کے متعلق یہ لکھی ہے کہ جب مولانا نے میری ادارت میں الہلال کا دوبارہ اجرا فرمایا تو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ اتنے بڑے مشہور و مقبول اور اردو صحافت کی شاندار روایات رکھنے والے مصور ہفتہ وار اخبار کا اسٹاف تنہا میری ذات پر مشتمل تھا، اور میں ہی اس میں سب کچھ لکھتا تھا، اس دوسرے دور میں مولانا نے الہلال میں ایک ہی اچھا مضمون لکھا، جس کو ادبی حلقہ میں بہت پسند کیا گیا اور لوگوں نے مولانا کو اس کی داد دی یہ مضمون وکٹر ہیوگو کے ناول "لا میزرابل" پر ہے جس نے اپنے ناول کے ہیرو جان والجان کے پادری کو حضرت جنید بغدادی کی صورت میں پیش کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وکٹر ہیوگو کا مشرقیات کا مطالعہ بڑا وسیع تھا، اور وہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے زمانہ کے ڈاکو ابن ساباط کے واقعہ سے واقف تھا، یہ ناول وکٹر ہیوگو کے قلم کا شاہکار سمجھا جاتا ہے، اس پر مولانا کا یہ مضمون بھی ان کے قلم کا شاہکار ہے، اور اس میں انھوں نے اپنے معلومات اور انشا پردازی کا خوب خوب کمال دکھایا ہے اور ادب اردو کے پرستاروں کے خاص مطالعہ کے لائق ہے۔ ذکر آزاد ص ۳۲۴، پھر لکھتے ہیں کہ مولانا نے اس کے علاوہ دو تین مضمون شذرات پر بھی لکھے تھے اس دور کے الہلال میں مولانا کے نگارشات قلم کی کل کائنات اتنی ہی ہے۔

متقدمۃ الذکر سلسلۂ مضمون کی پہلی قسط غالباً وہ ہے جو کتابی صورت میں "رحلت مصطفیٰ" کے نام سے شایع ہوئی ہے، یہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی مقبول ترین کتابوں میں ہے اور بار بار چھپی ہے، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مضمون کی اور قسطوں کو بھی جو عرصہ تک الہلال میں چھپتی رہیں اور جن کو قارئین الہلال بڑی دلچسپی اور شوق سے پڑھتے تھے اور جو اس دور کے الہلال کا ہر اعتبار سے پسندیدہ ترین مضمون تھا، کتابی صورت میں کیوں نہیں شایع کیا، تاکہ کم سے کم اس مضمون کی ملکیت کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوتی، پھر یہ مجموعہ بھی دینی و ادبی حلقہ میں ویسا ہی مقبول ہوتا جیسی کہ اس سلسلہ کی پہلی قسط "رحلت مصطفیٰ" کے نام سے مقبول ہو چکی تھی۔

اس حقیقت سے قطع نظر ان دونوں بزرگوں کا جن میں ایک کو مرشد کی اور دوسرے کو مسترشد کی حیثیت حاصل تھی اسلوب تحریر اور انداز نگارش اتنا مختلف ہے کہ نقل و روایت سے قطع نظر صرف مضمون ہی پڑھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کلک ابوالکلام کا اعجاز ہے یا مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے قلم کی کرامت، اصل کسوٹی اس کے لیے طرز تحریر ہی ہے، جو مولانا کے دور کے ادیبوں اور انشاپردازوں کے اسالیب کا اداشناس ہے اس کو کبھی اس قسم کی چیزوں میں اشتباہ ہو ہی نہیں سکتا، مولانا عبدالرزاق مولانا ابوالکلام سے بیحد عقیدت رکھتے تھے، ان کو علانیہ ان کے تمام معاصرین پر ترجیح دیتے تھے ان کے علمی فضائل کے معترف تھے، الہلال کی ان کی نگاہ میں بڑی عظمت تھی، مولانا کی ہر تحریر کو ایک اسکالر کی حیثیت سے پڑھتے تھے اور اس سے لذت اندوز ہوتے تھے لیکن ان سب کے باوجود وہ مولانا ابوالکلام کے طرز تحریر کا تتبع نہ کر سکے بلکہ کثرت مشق و ممارست سے خود ان کا ایک اسٹائل بن گیا بہت سادہ، عام فہم، اور دلنشیں، مشکل الفاظ اور عربی ترکیبوں سے خالی ان دونوں بزرگوں کی تحریروں میں اس حیثیت سے بے حد فرق ہے، اس لیے اس میں سرے سے کوئی التباس اور اشتباہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا، جیسا کہ بدقسمتی سے پیدا کر لیا گیا ہے اور الہلال کی ہر قسم کی شایع شدہ تحریر مولانا ابوالکلام کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے اور ذرہ بھی اس کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی کہ مضمون پر ایک نظر ڈال لیں۔

اسی طرح کا الہلال کا ایک معرکۃ الآرا مضمون "شہید اکبر" بھی ہے جس کے بارے میں ان دونوں بزرگوں کے معتقدین و محبین و مریدین میں ایک جنگ برپا ہے جس کا فیصلہ اب تک نہیں ہو سکا ہے اور ان میں سے ہر گروہ اس مضمون کو اپنے پیر و مرشد یا ممدوح کی طرف منسوب کرتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے، جہاں تک عدل و انصاف کا تعلق ہے اس سلسلہ کا یہ مضمون بھی مولانا ابوالکلام کا نہیں ہے لیکن جو لوگ ان چیزوں پر نظر نہیں رکھتے یا نہیں رکھنا چاہتے، ان کا اصرار یہ ہے کہ یہ مولانا آزاد ہی کا ہے، مولانا کے ناقابل فہم سکوت نے افسوس ہے کہ اس مسئلہ کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دیا ورنہ مولانا کی زندگی ہی میں جب کہ اس مسئلہ کو ان کی طرف رجوع کیا گیا تھا، اس کا فیصلہ ہو سکتا تھا۔

الہلال میں [illegible] کے حادثۂ [illegible] کے متعلق جو مضامین مراسلے [illegible] جس [illegible] ادبی [illegible] تھیں وہ سب "شہید اکبر" کے ایک مستقل عنوان کے تحت [illegible] ہی میں ایک مضمون بطور اداریہ کے مولانا سید سلیمان ندوی کا بھی ہے جو اس وقت الہلال کے اسٹاف میں شامل تھے یہ بھی ان کے نام کے

چھپا ہے۔ یہ مضمون بلکہ ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء کا پورا الہلال مولانا ابوالکلام آزاد کی غیر موجودگی میں جبکہ وہ اس زمانہ میں کچھ دنوں کے لیے کلکتہ سے مسوری چلے گئے تھے اور وہیں مقیم تھے سید صاحب نے مرتب کیا تھا اس اداریہ میں انھوں نے مولانا ابوالکلام کا چربہ اتارنے کی کوشش کی ہے جس میں ہمارے نزدیک ان کو کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی ہے اس کا اسٹائل مولانا ابوالکلام کے سحر انگیز اسٹائل سے بہت مختلف ہے جیسا کہ ہم نے "الہلال مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء کا اداریہ شہید اکبر اور مولانا سید سلیمان ندوی" کے عنوان کے تحت ماہنامہ فاران ستمبر ۱۹۶۰ء میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس کا تجزیہ کیا ہے اور دکھایا ہے کہ الفاظ تراکیب اور اسلوب کسی لحاظ سے بھی یہ مضمون مولانا ابوالکلام کا نہیں ہوسکتا سید صاحب کے اداریہ میں سرکاری اطلاع گپتی ہے، غیرت کا جذبہ جوش، مصنوع، مسجد کے اعادہ حرمت کی کوششیں، مصائب و آلام کی آغشتہ خون اطلاعات، معاملاً دوبیہ و متاع خونین، استعمال سنگ و انتہاک حرمت وغیرہ جیسے جملے و فقرے آتے ہیں جو کبھی مولانا ابوالکلام کے قلم سے نہیں نکل سکتے۔ تاہم سید صاحب کے اس مضمون کے پرجوش، ولولہ انگیز اور پرتاثیر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے آج بھی اس کے پڑھنے سے جسم میں حرارت اور خون میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور انگریز کے خلاف شدید جذبۂ انتقام برانگیختہ ہو جاتا ہے اس کی انہی خصوصیات کی وجہ سے گورنمنٹ بنگال نے اس تاریخ کے الہلال کو ضبط کرلیا اور ضبط ہو جانے کی وجہ سے اس کی اہمیت بڑھ گئی ورنہ اس سلسلہ کا خود مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم کا لکھا ہوا مضمون کہیں زیادہ پرزور، ولولہ انگیز اور ان کے خطیبانہ اسلوب نگارش کا پورا مظہر ہے، جو شخص بھی اردو ادب کا تھوڑا بہت ذوق رکھتا ہے اور ان دونوں بزرگوں کی تحریروں کا آشنا ہے وہ بیک نظر ان دونوں شہسواران ادب کی تحریروں کا فرق محسوس کرلے گا۔

ہماری ناقص رائے ہے کہ سید صاحب علیہ الرحمۃ کا جو بھی مضمون نام کی تصریح کے ساتھ یا بغیر نام کے شائع ہوا ہے، جس کو سید صاحب اپنی ملکیت بتاتے ہیں کسی میں بھی مولانا ابوالکلام کا مخصوص رنگ نہیں آنے پایا ہے اور نہ تتبع اور نقل سے یہ رنگ پیدا کیا جا سکتا ہے جس طرح مولانا ابوالکلام کے پیش رو اور ان کے ہم عصر مولانا محمد حسین آزاد کے منفرد اسلوب کا تتبع نہیں کیا جا سکا اسی طرح ان کے بالکل منفرد اسلوب طرز انشاء کا تتبع بھی کسی سے نہیں ہو سکا کوشش تو ابوالکلام بننے کی بہت سے لوگوں نے کی لیکن کسی کو بھی کامیابی نہیں ہوئی، بلکہ اس کوشش میں بہت سے لوگ بگڑ بھی گئے اور ان کو لکھنا نہ آسکا ہنس کی چال چل کے اپنی چال بھی بھول گئے، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبداللہ عمادی، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا نیاز فتحپوری، ظفر حسین صاحب مالک رشیت معارف و دفتر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور مولانا غلام رسول مہر صاحب سیرت سید احمد شہید وغیرہ کو لوگ تحریر و انشاء میں مولانا کا مقلد سمجھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا کسی نہ کسی نوع کا مولانا سے تعلق رہا ہے لیکن ہمارے نزدیک ان میں سے ہر ایک کا اسلوب تحریر جدا گانہ ہے اور سید صاحب علیہ الرحمۃ کو تو اپنی ذات کی حد تک مولانا ابوالکلام کا عربی الفاظ و تراکیب سے گرانبار اسلوب تحریر چنداں پسند بھی نہیں تھا، جیسا کہ انھوں نے الہلال سے الگ ہونے کے بعد قیام پونہ کے زمانہ میں اپنے ایک ہم وطن بزرگ مولانا ابوالکمال سید عبدالحکیم صاحب دسنوی کو جو مولانا شبلی کے معاصر اور اس دور کے اچھے اہل قلم لوگوں میں ان کا شمار تھا، لکھا بھی تھا کہ میں تو میں خود مولانا شبلی جو مولانا ابوالکلام کی ذہانت اور تیزی طبع کے بڑے گرویدہ ہیں اس طرز کے شاکی ہیں۔ مگر ابھی نیا نشہ ہے اترتے اترتے اترے گا اس لیے کم سے کم سید صاحب سے جن کا خود ایک مستقل عالمانہ اور محققانہ اسلوب تحریر ہے، مولانا ابوالکلام کے طرز نگارش کی تقلید و تتبع کی یوں بھی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، یہ ضرور ہے کہ سید صاحب کی ابتدائی تحریروں میں خصوصاً ان کی بیش بہا اور اپنے موضوع پر بالکل منفرد تصنیف ارض القرآن میں عربی الفاظ اور ترکیبوں کی بڑی کثرت ہے، جس کے متعلق بعض ناقدین کا خیال ہے کہ یہ الہلال کے چند ماہ تعلق اور مولانا ابوالکلام کی صحبت کا اثر ہے مگر تنہا اسی ایک خصوصیت پر ان کی کسی تحریر یا مضمون کو مولانا ابوالکلام کا ہم رنگ قرار دینا صحیح نہیں ہوگا، ہم رنگ ہونے کے لیے اور بہت سی چیزوں کا ہونا بھی ضروری ہے جن کو ادیب اور انشاء پرداز لکھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں، پھر ارض القرآن کوئی ادبی کتاب نہیں، تاریخ و جغرافیہ کی کتاب ہے، اس میں یوں بھی کچھ زیادہ ادبیت نہیں ہے، لیکن اس کا اسلوب بہت عالمانہ اور مورخانہ ہے، جس کے مداحوں میں مہدی افادی الاقتصادی تک تھے۔ لیکن وہ اس کی ادبیت سے زیادہ اس کی تاریخیت سے متاثر تھے۔ اور انھوں نے اس کامیاب ترین تصنیف پر سید صاحب کو مبارکباد بھی دی تھی، جو سید صاحب کے لیے بہت بڑی سند تھی، لیکن عربی الفاظ کی کثرت کے باوجود اس پر مولانا ابوالکلام کے اسلوب کا قطعی اثر نہیں ہے۔

الہلال کے جن مضامین کی ملکیت کے بارے میں بدقسمتی سے اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے، ان کی اور ان کے علاوہ الہلال کے دوسرے مضامین کی خود سید صاحب کی نگاہ میں چنداں کوئی اہمیت نہیں تھی اور نہ انھوں نے کبھی اپنی ساری عمر ان کے جمع ترتیب کی طرف توجہ کی اور نہ ان کے جانشینوں کو جنھوں نے ان کے تمام ناتمام کاموں کی تکمیل کا بیڑا اٹھا رکھا ہے، ان کی طرف کوئی اعتنا ہے وہ تو محض ایک واقعہ کا اظہار تھا، جس پر خواہ مخواہ مولانا آزاد کے غالی معتقدین نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا، اور لمبے لمبے مضامین لکھ کر ان میں مقابلہ و موازنہ شروع کر دیا، اس تمام طومار کو اگر جمع کیا جائے، ایک دوسری طلسم ہوش ربا تیار ہو جائے اگر انھوں نے ان تمام مضامین اور خصوصاً شہید اکبر والے مضمون کو ایک منٹ کے لیے بھی تنقیدی نگاہ سے پڑھنے کی زحمت گوارا کی ہوتی تو ہر ایک کے اسلوب و طرز نگارش میں جو بین فرق ہے وہ ان کو ضرور معلوم ہو جاتا ہم نے ازراہ تحقیق شہید اکبر والے مضمون کو اسی نقطۂ نظر سے پڑھا ہے اور اس سلسلہ کے لکھے ہوئے اور مقالات سے ملایا ہے، تو ہم کو صاف پتہ چل گیا کہ وہ ہرگز ہرگز مولانا ابوالکلام آزاد کے سحر نگار قلم سے نہیں ہے جیسا کہ ان غالی معتقدین کو خواہ مخواہ اس پر اصرار ہے۔

ذکاء الرحمٰن الصدیقی

اجنبی کا قصہ

(وسط ہند کے مشہور شاعر حضرت قیصر امراؤتی کے سانحۂ انتقال پر)

اس نے غم کے نغمے بھی جھوم کر سنائے تھے
اس نے اشک پی پی کر قہقہے لگائے تھے
آہ! پھر بھی وہ آنسو، جو ہنسی میں آئے تھے

مسکراتی آنکھوں میں کس قدر اداسی تھی
زیست بھی سر دامن، اس کی روح پیاسی تھی
اس کی زندگی کیا تھی، موت کی اداسی تھی

اس کی شام کیا آئی، زیست کا سویرا ہے
زندگی کی منزل پر نیستی کا ڈیرا ہے
کوئی روشنی لاؤ کس قدر اندھیرا ہے
دوستو! سناتے جاؤ اس کے پیار کی باتیں
اور جانے کتنی ہیں درد کی سیہ راتیں

اس نے ہم کو بانٹی تھیں روشنی کی سوغاتیں

جس کو اپنے زخموں کا چارہ گر کیا ہم نے
جس سے زیست کرنے کا حوصلہ لیا ہم نے
آؤ! آج یہ سوچیں اس کو کیا دیا ہم نے

دوستوں میں رہ کر بھی وہ دکھی رہا آخر
سب کے پاس ہو کر بھی دور ہی رہا آخر
وہ وطن میں رہ کر بھی اجنبی رہا آخر

دوستی کے سیدائی! دشمنی کو سر کر لے!
زندگی کے پیغمبر! موت کا سفر کر لے!
یہ بھی ایک پہلو ہے زیست کا گزر کر لے!

دوستو! اٹھو کچھ دیر چاک زخم دل سی لیں
موت کی بھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جی لیں
آؤ، ایک جام ہے اس کی یاد میں پی لیں

بادہ بن کے چھلکے گی اس کے پیار کی خوشبو
پیار بن کے جاگے گا اس کے نام کا جادو
نام بن کے چمکے گی اس کی شاعری ہر سو

غزلیں

کرشن موہن

(صنعتِ قافیہ در ردیف "میں")

(اس غزل میں جہاں جہاں ردیف میں قافیہ در آیا ہے میں نے ٹھیک کہا ہے یہ دو اتفاقیتیں نہیں کیونکہ وہ ایک سخت پابندی ہے جس کا التزام ہر شعر میں لازم ہے۔ میں تو اس آزادروی کو قافیہ در ردیف کے نام سے پکاروں گا۔ آپ دیکھیں گے کہ ردیف میں قافیہ معانی کا تابع ہو کر آیا ہے۔ ک۔م)

شبِ فرقت کا طول جاتا ہے — بھوک میں عشق بھول جاتا ہے
کیا ستم ہے، ہر اک صاحبِ دل — شاد آتا، ملول جاتا ہے
اپنے ہی عزم و استقامت سے — عشق حسن قبول پاتا ہے
مے سے بڑھ کر نشہ ہے زر کا جیسے — ہر کوئی پا کے پھول جاتا ہے
عقل سے ہے تفرقہ تو لیکن — دل کو دل کا حصول بھاتا ہے
ہر کوئی دیکھ کر تری آنکھیں — کیف مستی میں جھول جاتا ہے
زندگی کی اساس ہے اخلاص — ہم کو بس یہ اصول آتا ہے
کیا غضب ہے کہ تیرے گھر کے قریب — ہر کوئی راہ بھول جاتا ہے
ہو معاون اگر نہ علم و ہنر — مال و زر سب فضول جاتا ہے
تنگ ہے یہ جہاں قدامت سے — رنگِ جدت پہ جھول جاتا ہے (ق)
ناچ اٹھتے ہیں لوگ جب کوئی — عہدِ نو کا رسول آتا ہے
قافلے سے جو پیچھے رہ جائے
کرشن موہن وہ دھول کھاتا ہے

شمیم حنفی

کچھ تری بے مہریاں تھیں اور کچھ اپنی خطا تھی
میں بھی اک پیاسا سمندر تو بھی اک کالی گھٹا تھی
اجنبی چہرے تھے سارے، اجنبی تھے چاند تارے
ایک انجانی سی دنیا ترکِ الفت کا صلہ تھی
ان ہواؤں سے گزرنا بھی تو کچھ آساں نہیں ہے
کون کہتا ہے کہ ان پیروں میں زنجیرِ حیا تھی
گھیر رکھا تھا ہمیں چاروں طرف آنسوؤں نے
ہائے کس زندانِ غم میں سرخ پھولوں کی قبا تھی
سب اسے منزل سمجھ کر رنگ رلیوں میں مگن تھے
رات کالی رات جو میری سحر کا نقشِ پا تھی

نظر برنی

عشق کی داستان کیا کہیے — خامشی بے زبان کیا کہیے
ہے یہ جنت نشان کیا کہیے — میرا ہندوستان کیا کہیے
ایک دل پر ہزار الزامات — صبر کا امتحان کیا کہیے
آپ کی بے وفائیوں کا گلہ — آپ سے مہربان کیا کہیے
فطرتِ حسن ہے بہت بے باک — عشق ہے بے زبان کیا کہیے

ہم اصلاحات

اُردو اور گجراتی

مشاعرہ جشن حزیں احمد آباد میں کی ہوئی اعجاز صدیقی صاحب کی تقریر کے کچھ حصّے "ہماری زبان" کے ۸ اگست کے شمارے میں "اردو اور گجراتی" کے عنوان سے دئے گئے تھے جس میں اعجاز صاحب نے اردو گجراتی الفاظ کی ایک مختصر سی فہرست بھی دی ہے جن میں کچھ الفاظ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ گجراتی میں ان کے لیے دوسرا لفظ نہیں ہے" حالانکہ حقیقت اس سے مختلف ہے اور گجراتی میں ان کے لیے دوسرے لفظ موجود ہیں جو قارئین کی اور جناب اعجاز صدیقی کی دلچسپی اور معلومات کے لیے درج ذیل کیے جاتے ہیں،

ویران = اُجڑ	خبر = سماچار
برابر = سریکھا	ہوش = بھان
قافلہ = سنگھ	ملاقات = ملن
قبول = سویکار	سفر = پرواس
گرم = اشن	حسد = اِرشا
یاد = سمرتی	حریف = پرتی سپردھی
شکار = بھکش	گناہ = پاپ
جام = سُرا پاتر	دنیا = وشوا
سلامت = سرکھشت	علاج = اپچار
مصیبت = اپادھی	جلدی = اُتاؤر
خوشی = ہرش	

(عادل منصوری۔ احمد آباد)

شاگرد غالب ــــــ شیخ عبدالصمد کلیم

"غالب کے ایک شاگرد۔ شیخ عبدالصمد کلیم" کے عنوان سے میرا ایک تفصیلی مضمون "اردو ادب" شمارہ ۴ سنہ ۱۹۶۲ء میں شایع ہو چکا ہے۔ اب مجھے کلیم کا شاگرد غالب ہونے کے ثبوت میں ایک اہم ذریعہ اور ملا ہے اور وہ خاک اجمیری (مرحوم) کا تعلق ہے۔ خاک اجمیری۔ اجمیر میں بحیثیت ایک پرگو اور کہنہ مشق شاعر خاصے مشہور رہے ہیں۔ ان کے شاگردوں کی فہرست بھی خاصی طویل ہے[1]۔

خاک اجمیری پر بہت جلد ایک تفصیلی مضمون لکھوں گا فی الحال عرض یہ کرنا ہے کہ خاک اجمیری کے نام کے ساتھ اکثر مندرجہ ذیل عبارتیں لکھی ہوئی ملتی ہیں،

"شاعر خوش گفتار جادو بیان جناب محمد حسین صاحب خاک اجمیری، تلمیذ مولانا مولوی عبدالصمد صاحب کلیم علی گڑھی مغفور ارشد تلامذہ حضرت غالب دہلوی مدظلہٗ العالی"

قطعہ تاریخ "دیوان اثر" صفحہ ۱۳۹

جناب منشی محمد حسین خاک تلمیذ جناب حضرت مولینا کلیم مرحوم ارشد تلامذہ حضرت غالب مرحوم

اخبار "گلستانہ" اجمیر جلد ۲ شمارہ ۳ سنہ ۱۳۳۲ھ

(سید فضل المتین)

"سیماب اور دبستان سیماب پر تحقیق"

میں پونہ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے سیماب اکبرآبادی مرحوم پر "سیماب اور دبستان سیماب" کے عنوان سے کام کر رہا ہوں اور دوستوں اور ہندوستان اور پاکستان کے تمام تلامذۂ سیماب اور اردو دوستوں سے تعاون کی درخواست ہے۔

(۱) ہند و پاکستان کے موجودہ تلامذۂ سیماب اپنے مختصر حالات زندگی (مع تاریخ تلمذ)۔ غزلوں کے بیس منتخب اشعار، دو بہترین نظمیں، اپنی تصانیف و تالیفات کی فہرست اور اپنے ادبی مقام سے متعلق جوابوں اور دوسروں کی آرا سے مطلع فرمائیں۔

(۲) اپنی ایک غزل پر استاد کی اصلاح کی نقل (اپنی اصل غزل کے ہمراہ)

(۳) مرحوم تلامذۂ سیماب کے متعلق جن حضرات کو علم ہو وہ ان کا تذکرہ اور کلام عنایت فرمائیں۔

(۴) اپنی تازہ ترین تصویر بھی بھیجیں علاوہ ازیں مولانا سے متعلق ہر قسم کا وہ مواد اور معلومات بھیجیں جو میرے لیے مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔

افتخار احمد فخر دھولپوری
(شعبۂ اردو فارسی، ایم جے کالج جلگاؤں شرقی خاندیس)
مہاراشٹر

مندرجہ ذیل اشعار کن شعراء کے ہیں

غرق کر دے تجھ کو زاہد تیری دنیا کو خراب — کم سے کم اتنی تو ہر کشتی کے پیمانے میں ہے
یوں تو ساقی ہر طرح کی تیرے میخانے میں ہے — وہ بھی تھوڑی سی جو ان آنکھوں کے پیمانے میں ہے
تیری آنکھوں سے یہ آنسو کا ڈھلکنا توبہ — میں نے گرتی ہوئی کونین کی قیمت دیکھی
برق کیا طور پر گری ہوگی — تیرا آنچل ڈھلک گیا ہوگا
معصوم نظر بھولا چہرہ، کھلتے ہوئے لب، نکھرے گیسو — تصویر کا جب یہ عالم ہے، وہ حسن مجسم کیا ہوگا
نجات مل گئی ناصح سے عمر بھر کے لیے — اسی کو بھیج دیا یار کی خبر کے لیے
دیکھتے ہی دیکھتے دیکھیں گے وہ میری طرف — اٹھتے اٹھتے ہی اٹھے گی نگہ شرمائی ہوئی
میں پارسا تو ہو نہ سکا پند شیخ سے — لیکن کسی گناہ میں لذت نہیں رہی

قارئین "ہماری زبان" رہنمائی فرمائیں۔۔!

(ایک خریدار)

---

[1] خاک اجمیری کے تلامذہ میں خاص طور پر جناب سیماب اکبرآبادی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔

۱۔ "دیوان اثر" کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون "غالب کے ایک صاحب دیوان شاگرد (امام الدین اثر)" مطبوعہ "اردو ادب" شمارہ (۱) سنہ ۱۹۶۲ء۔

سید فضل المتین

نوٹ: یہ دونوں شعر جگر مرادآبادی کے ہیں۔ ادارہ "ہماری زبان"

ساحر

اردو

آزادی حاصل کرنے کے بعد قومی زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی ہے زندگی کا تعلق کتنی ہی چیزوں سے کیوں نہ ہو لیکن زبان سے اس کا تعلق اٹل اور گہرا ہے۔ ہندوستان میں زبان کے جھگڑے بہت زور و شور سے ہوئے اب بھی ہوتے رہتے ہیں اور یقین جانئے آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ ہندوستان میں ہر زبان نے ترقی کی ہے، راشٹر بھاشا ہندی نے مقابلتاً زیادہ ترقی کی ہے لیکن زبانوں کی ترقی سے متعلق کوئی پسند کرے یا نہ کرے ملک میں یہ اصول قائم ہو گیا ہے کہ زبان کی ترقی کے لیے جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ جد و جہد کیا شکل اختیار کرے اس پر بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ واقعات سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ غالباً اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جس کے لیے کوئی تحریک جاری نہیں ہوئی۔ زبانوں کا ذکر ہوتا ہے تو اردو کا بھی تذکرہ ہو جاتا ہے۔ اردو کی تعریف کی جاتی ہے۔ اردو کے حق میں بہت کچھ کہہ دیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جہاں اور زبانوں نے ترقی حاصل کی وہاں اردو ترقی نہیں کر سکی اردو زندہ ہے دوسری زبانوں کی ترقی کا وسیلہ اور ذریعہ بھی بنتی ہے لیکن خود سسک رہی ہے۔ پارلیمنٹ میں لسانی اقلیتوں سے متعلق کمشنر کی رپورٹ پر بحث ہوئی۔ اردو کا بھی ذکر ہوا۔ اردو کے بارے میں حکومت کی غفلت پر اعتراضات بھی کیے گئے۔ اردو کی ترقی کے لیے مطالبات بھی دہرائے گئے۔ بحث کا جواب دیتے ہوئے اردو کے متعلق نائب وزیر داخلہ نے کہہ دیا کہ اردو کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ختم کر دینے کا یا اس کی اہمیت کم کر دینے کا کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہی اس قسم کی کوئی سازش کی گئی ہے وزیر موصوف نے اردو کی ترقی کے چند اعداد و شمار بھی پیش کیے لیکن وہ کمشنر کی رپورٹ کو غلط ثابت نہیں کر سکے۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ اردو عظیم خوبیوں کی حامل ہے اور پھلتی پھولتی رہے گی۔ بالا دلیل کا پہلا حصہ تو ٹھیک ہے لیکن دوسرا نہیں۔ انسان کے کردار کی عجیب کیفیت ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو دنیا کی ہر چیز سے پیار ہے دشمنی ہے تو خود آدمی سے اہتمام تو یہاں تک ہوتا ہے کہ خوفناک جانوروں تک کی نسل کی حفاظت کی جاتی ہے۔ کھوج کی جاتی ہے کہ فلاں قسم کا پرندہ دنیا سے کیسے غائب ہو گیا اس کی نسل کی حفاظت کیوں نہیں کی گئی۔ اس پر شاید یہ کہا جائے کہ آدمی ان زبانوں کو مردہ ہو کر جو قریب قریب ناپید ہو گئی ہیں دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو پھر اس کے کیا معنی کہ زندہ جاوید زبان سے اس قدر غفلت برتی جائے کہ وہ زندہ درگور ہو جائے۔ انسان کے عمل کا یہ تضاد سمجھ میں نہیں آتا۔ بنیادی اصول تو یہی ہے کہ زندگی کے لیے اس کا تعلق کسی بھی چیز سے ہو جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ خود پرداخت کی ضرورت ہوتی ہے محض اپنی خوبیوں سے زندہ رہنے کی بات کہنے کو تو کہہ دی جائے ورنہ سچ تو یہ ہے کہ دنیا کب موت کا وارنٹ جاری کرتا ہے۔ اردو زبان کے مستقبل کے بارے میں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ پاکستان میں وہ خوب ترقی کر رہی ہے لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں ہوتے چاہئیں کہ اردو سے پیار رکھنے والے پاکستان سے اطمینان حاصل کریں اور اس ملک میں جہاں اردو نے جنم لیا پروان چڑھی وہاں اس کی حالت زار پر آنسو بہانے پڑیں۔ ذرا سوچئے دنیا کیا کہے گی۔ زبان کے تعصب کی کوئی حد ہونی چاہیے۔ ہندوستان میں بدیسی زبان تو ترقی کرے انگریزی کو دیسی زبانوں پر چھائے رہنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن اردو کے ساتھ دشمنی کا سلوک کیا جائے مناسب تو یہی ہے قوم کی عزت بھی اسی میں ہے کہ دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو زبان بھی ترقی کرے اسے بھی برابر کی سہولتیں اور حفاظت حاصل ہو۔ اردو زبان کی بد قسمتی ہے کہ اس کے ساتھ مذہب، فرقہ اور سیاست وابستہ رہی ہیں۔ لیکن ان خرابیوں سے دوسری زبانیں بھی تو بری نہیں۔

(اداریہ "تیج")

اردو

(مراسلہ مطبوعہ انگریزی روزنامہ "پیٹریاٹ" نئی دہلی)

نائب وزیر داخلہ نے اردو کے سلسلے میں راجیہ سبھا میں جو بیان دیا ہے اس کے بارے میں محض اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ زخموں پر نمک پاشی کی ایک مثال ہے۔ عزت مآب وزیر نے اردو زبان کو خراج تحسین پیش کیا اور قومی جد و جہد میں اردو نے جو اہم رول ادا کیا اس کی طرف اشارہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ اردو کو ملک میں مخصوص مقام حاصل رہے گا اور چونکہ یہ مذہبی حد بندیوں کو توڑتی ہے اس لیے تعلیمی اور سماجی سطح پر اس کی اہمیت برابر بڑھتی جائے گی۔

اردو کو کتنی اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ اردو کو تعلیم اور اردو پڑھنے والوں کو روزگار کے کیا مواقع حاصل ہیں۔ روزگار سے مراد ہے سرکاری دفتروں میں اردو کا عمل دخل۔ ہم حکومت کے بڑے شکرگزار ہوتے اگر وہ اس سلسلے میں اعداد و شمار پیش کرتی۔ آل انڈیا ریڈیو سے اردو پروگرام نشر کرنا اردو کا احیا ہرگز نہیں ہے۔ مرکزی سرکار کے دفتروں تک سے اردو کی آسامیاں ختم کی جا رہی ہیں اور جو خالی ہیں ان کو پر نہیں کیا جاتا۔ بہت سے اردو داں ایم۔ اے برسوں سے دفتروں میں اپر ڈویژن کلرک کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

روزگار کے مواقع فراہم کیے بغیر یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبے کھولنا نوجوانوں کی زندگی سے کھیلنا ہے۔

(اردو دوست)

تصحیح

۲۲ راگست ۱۹۶۶ء کے "ہماری زبان" کے صفحہ ۷ کے آخری مراسلہ "یہ اشعار کس شاعر کے ہیں" کے جس شعر پر ادارہ کی جانب سے نوٹ دیا گیا ہے وہ شعر [illegible] صاحب کا ہے ظفر علی خاں کا شعر ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(ادارہ ہماری زبان)

پرائمری درجات میں تعداد طلبہ کی قید نہیں ہے

ہر بچہ کو جس کی مادری زبان اردو ہے اردو میں تعلیم دی جانی چاہیے

(دوارکا رسول، سکریٹری انجمن ترقی اردو بنارس)

اخبار سیاست جدید کانپور مورخہ یکم جولائی ۱۹۶۶ء میں بعنوان "اسکولوں میں اردو تعلیم و اردو کتابوں کی طرف توجہ" ایک مضمون منجانب سلیم عمر صاحب جنرل سکریٹری ینگ سوشل سوسائٹی لکھنؤ شایع ہوا ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ "اردو کتابیں بازار میں نہیں ملتی ہیں شروع سال میں نہیں ملتیں۔ ۵-۶ ماہ کے بعد ملتی ہیں جس سے بچے فیل یا کمزور ہو جاتے ہیں پہلے کے مقابلہ کم اسکولوں میں اردو تعلیم دیجاتی ہے کبھی ۴۰ یا ۱۰ طلبہ کے نہ ہونے کا عذر کیا جاتا ہے بعد کو اگر اس سے زیادہ طلبہ ہو جاویں تب بھی کمی کا عذر کیا جاتا ہے"

اس سلسلہ میں کچھ اور شکایتیں و دشواریاں ہیں جو انجمن تعلیمات دینی کے وفد نے آنریبل وزیر تعلیم یو۔پی کو پیش کی ہیں، جو اخبار مذکور کی اسی اشاعت میں شایع ہوئی ہیں اور بھی دشواریاں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک اردو کو جو کچھ حقوق ملے ہیں اور جو بھی ہدایات جاری ہوئی ہیں ان پر صحیح معنوں میں عمل نہیں ہو رہا ہے نہ آسانیاں بہم پہونچائی جا رہی ہیں سب سے بڑی دقت اردو استادوں کی کمی اور اردو ٹریننگ کا نہ دینا ہے جس کے لیے مرکزی حکومت نے ۱۴ جولائی ۱۹۵۸ء کو اور صوبائی حکومت نے ۲۰ جولائی ۱۹۵۸ء کو اعلان کیا کہ "اردو میں استادوں کی ٹریننگ و مناسب کتابوں کا انتظام کیا جائے" اعلان مذکور کی ۵ سہولتوں میں سے یہ ایک سہولیت ہے جو اردو کو دی گئی ہے۔

"ARRANGE MENTS SHOUED IE MADE FOR THE TRAINING OF TEACHERS AND FOR PROVIDING SUITABLE TEXT BOOKS IN URDU"

اردو ہی کے پوزیشن کے بارے میں وہ اعلان ہوا ہے۔

خصوصاً پرائمری اسکول کے فارم داخلہ کو ہندی و اردو دونوں زبانوں میں چھپنا چاہیے جیسے پہلے چھپتا تھا تاکہ اردو جاننے والے سرپرست ان کی خانہ پوری کر سکیں۔

مادری زبان کا کالم فارم داخلہ میں نہیں ہے اس کے لیے ۱۹۵۶ء میں یہاں سے وزیر تعلیم کو لکھا گیا تھا ۱۹۶۱ء میں حکم ہوا کہ مادری زبان کا کالم بڑھانے کے لیے ہدایات جاری ہو چکے ہیں، پانچ برس سے اوپر ہوا مگر اب تک کالم کا اضافہ نہیں ہوا۔

ہیڈ ماسٹر صاحبان خود سے مادری زبان ہندی لکھ دیتے ہیں۔ اور اردو تعلیم سے کتراتے ہیں نہ ان کو کوئی خوف ہے اور نہ شکایت کرنے پر اوپر کے حکام باز پرس کرتے ہیں، بیشتر افسر متعلق اردو نہیں جانتے لہذا اردو سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ اگر اب تک کے جاری شدہ ہدایات پر صحیح معنوں میں عمل درآمد کیا جائے تو اردو والوں کی بے شمار دشواریاں رفع ہو جاویں۔

پرائمری درجات آباد

پرائمری درجات میں ۴۰-۱۰ کی قید ضروری نہیں ہے ہر بچہ کو جس کی مادری زبان اردو ہے اس کا ذریعہ تعلیم درجہ ۱ سے ۵ تک اردو ہونی چاہیے اس کو درجہ ۳ سے ہندی بطور زبان شروع کر دینی چاہیے۔ اس وقت کے جی۔او کی یہی منشا ہے۔

(۱) ۱۹۴۸ء سے (جب سے اردو تعلیم بند ہوئی) ۱۹۵۲ء تک جتنے جی۔او یا سرکلر جاری ہوئے ان میں سے کسی میں ۴۰-۱۰ کا ذکر نہیں ہے صرف یہ ہدایت ہے کہ پرائمری تعلیم بچوں کو ان کی مادری زبان میں دی جائے۔

(۲) ۱۹۵۲ء میں ایک جی۔او A/۲۹۸ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۵۲ء اجرا ہوا اس میں پہلے پہل ۴۰-۱۰ کا ذکر آیا مگر اس جی۔او کا پہلا جملہ یہ ہے

"THE MEDIUM OF INSTRUCTION AND EXAMINATION IN THE JUNIOR BASIC STAGE MUST BE THE MOTHER TONGUE OF THE CHILD"

یعنی ذریعہ تعلیم و امتحان پرائمری درجات کا بچوں کی مادری زبان ضرور ہونی چاہیے لفظ MUST استعمال ہوا ہے یعنی ضرور مادری زبان ذریعہ تعلیم ہو۔

دوسرا جملہ جس میں ۴۰-۱۰ کا ذکر ہے وہ یوں ہے۔

WHERE THE MOTHER TONGUE IS DIFFERENT FROM THE REGIONAL OR STATE LANGUAGE ARRANGEMENTS MUST BE MADE FOR INSTRUCTION IN THE MOTHER TONGUE BY APPOINTING AT LEAST ONE TEACHER, PROVIDED THERE ARE NOT LESS THAN 40 PUPILS SPEAKING THE LANGUAGE IN THE WHOLE SCHOOL OR TEN SUCH PUPILS IN A CLASS."

جہاں مادری زبان علاقائی یا اسٹیٹ زبان (یہاں ہندی سے مراد ہے) سے مختلف ہو تو اس زبان کے پڑھانے کا انتظام کم سے کم ایک استاد مقرر کر کے ضرور کرنا چاہیے بشرطیکہ پورے اسکول میں ۴۰ یا ایک درجہ میں ۱۰ بچے ہوں۔ یہ نہیں لکھا ہے کہ کم ہوں تو پڑھایا نہ جائے کیونکہ اس کے آگے جی۔او کے الفاظ یوں ہیں۔

THE REGIONAL OR STATE LANGUAGE WHERE IT IS DIFFERENT FROM THE MOTHER TONGUE SHOULD BE INTRODUCED NOT EARLIER THAN CLASS III AND NOT LATER THAN THE END OF JUNIOR BASIC STAGE."

یعنی علاقائی یا اسٹیٹ زبان اگر مادری زبان سے مختلف ہے

تو وہ درجہ ۳ سے پہلے نہ شروع کی جائے اور درجہ ۵ کے پہلے ضرور شروع کردی جائے یہاں ۴۰-۱۰ کا کوئی ذکر نہیں ہے اگر ۴۰-۱۰ اردو تعلیم کے لیے ضروری ہوتا تو یہاں بھی ۴۰-۱۰ کی شرط ہوتی اور لکھا ہوتا جی۔ او کا منشا یہ ہے کہ اردو بچوں کو جو درجہ ا سے ۵ تک اردو پڑھیں گے درجہ ۳ سے بطور زبان ان کو ہندی پڑھائی جاوے گی کم بچے ہوں گے موجودہ استاد سے اردو پڑھیں گے جیسا پہلے تھا ۴۰-۱۰ ہوں گے تو ایک استاد اردو کے لیے ہوگا اور جب ۱۰ بچے ایک درجہ میں ہوں گے تو یہ نہیں ہوگا کہ اور درجوں میں اردو کے بچے نہ ہوں گے اور جس وقت اگست ۱۹۴۹ء میں یہ فیصلہ وزراء تعلیم نے کیا تھا اردو بند ہوئے ایک سال ہوا تھا استاد ہر جگہ اردو کے بے شمار تھے اردو تعلیم زبردستی بند ہوئی تھی کوئی حکم حکومت یا ڈائرکٹر صاحب کا اردو بند کرنے کا نہیں آیا تھا۔ اردو کے پڑھنے والے بے شمار لڑکے ہیں اگر روکا نہ جائے۔ جب پرائمری درجات میں مادری زبان میں تعلیم دینی ضروری ہے تو اس کا سوال نہیں اٹھتا اور جبریہ تعلیم ایکٹ تو اس پوزیشن کو اور مضبوط بناتا ہے۔

علاوہ بریں

(۳) اس ۱۹۵۷ء کے جی۔ او میں جی۔ او نمبر 3725 A مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۴۷ء کا حوالہ ہے جس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور جس کی وضاحت سررشتہ تعلیم کے ڈائرکٹر صاحب نے G.L. secondary ۱۹۴۷ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۴۸ء میں کی ہے اس میں یہ ہے کہ

"THE MEDIUM OF INSTRUCTION IN THE PRIMARY CLASSES WILL BE THE CHILDS MOTHER TONGUE."

۴۰-۱۰ کا ذرا بھی ذکر نہیں ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ۴۰-۱۰ سے مراد بغرض تقرر استاد ہے نہ کہ تعلیم ۱۹۴۶ء تک یا ہندی اردو دونوں زبان پاس کئے مدرس چنا ہی نہیں جاتا تھا یہ ضروری تھا اور ہر شخص کو اردو ہندی میں امتحان پاس کرنا ضروری تھا۔ اس کا قاعدہ تھا۔

(۴) صوبہ آندھرا میں ۳۰ تعداد دیگر ا لا میں ۱۵ کا ذکر ہے (ملاحظہ ہو رپورٹ اول کمشنر لسانی اقلیت پیرا ۵۹ و ۸۰)

(۵) آل انڈیا کنونشن یعنی وزراء تعلیم کا فیصلہ جو ۱۹۵۶ء کے جی۔ او کا جز بنایا گیا ہے اس وقت کانگریس ورکنگ کمیٹی کی بھی میٹنگ ہوئی تھی جس میں متعدد کانگریسی زعمائے تقریریں کیں اس میں یہ طے ہوا کہ "متعلقہ زبانوں میں ایک اردو رہے گی"۔ URDU WILL BE ONE OF THE LANGUAGES CONCERNED."

اس کے بعد ہی وزراء تعلیم کا فیصلہ ہوا۔ جو ۱۹۵۷ء کے جی۔ او کا جز بعد کو بنایا گیا۔

(۶) مادری زبان میں تعلیم دی جائے اس کے لیے دستور ہند میں ساتویں ترمیم اگست ۱۹۵۶ء یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو ہوئی اور دفعہ ۳۵۰ الف کا اضافہ ہوا۔ الفاظ یوں ہیں:

350A. IT SHALL BE THE ENDEAVOUR OF EVERY STATE AND OF EVERY LOCAL AUTHORITY WITHIN THE STATE TO PROVIDE ADEQUATE FACILITIES FOR INSTRUCTION IN THE MOTHER TONGUE AT THE PRIMARY STAGE OF EDUCATION TO CHILDREN BELONGING TO LINGUISTIC MINORITY GROUPS"

(۷) اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ ایک دفعہ اور ۳۵۰ ب اضافہ ہوا جو لسانی اقلیتوں کے لیے ایک اسپیشل افسر مقرر کیا جو لسانی اقلیتوں کے تحفظات کریں گے اور شکایات دور کریں گے۔ اس میں بھی ۴۰-۱۰ کا ذکر نہیں ہے۔

(۸) اس کے بعد مرکزی حکومت نے ایک تاریخی اعلان اردو کی پوزیشن کی وضاحت کرتے ہوئے ۱۴ جولائی ۱۹۵۸ء کو کیا جس کو صوبوں نے مانا۔ اس میں بہت واضح طور سے لکھا ہے کہ "اردو زبان میں تعلیم و امتحان کی سہولت پرائمری درجات میں ان تمام بچوں کو دی جائے جن کے والدین یا سرپرست مادری زبان اردو کہیں"

FACILITIES SHOULD BE PROVIDED FOR INSTRUCTION AND EXAMINATION IN THE URDU LANGUAGE AT THE PRIMARY STAGE TO ALL CHILDREN WHOSE MOTHER TONGUE IS DECLARED BY THE PARENT OR GURADIAN TO BE URDU."

(۹) چیف منسٹرس کانفرنس ۱۹۶۱ء زیر صدارت آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو دہلی میں ہوئی جس میں سہ لسانی فارمولا پاس ہوا تھا اس کا دفعہ ۳ (الف) پرائمری تعلیم کے متعلق ہے اس میں بھی ہے کہ مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنا لسانی اقلیتوں کا حق ہے۔

"THE RIGHT OF LINGUISTIC MINORTIES TO HAVE INSTRUCTION IN THEIR MOTHER TONGUE AT THE PRIMARY STAGE OF EDUCATION WAS REAFFIRMED

یہ بھی لکھا ہے کہ سہولتیں جو دی گئی ہیں کم نہ کی جاویں بلکہ جہاں ممکن ہو مزید سہولیت دی جائے۔

NO FACILITIES PREVIOUSLY AVAILABLE SHOULD BE REDUCED AND WHERE EVER POSSIBLE FURTHER FACILITIES SHOULD BE GIVEN.

واضح ہو کہ اس کانفرنس نے آل انڈیا میمورنڈم ۱۹۵۶ء وسہ ہندی کمیشن کی رپورٹ وغیرہ بہت اعلانوں پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلے کیے۔

(باقی آئندہ)

بعض ریاستوں میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ

کانگریس کے صدر کامراج کی وزیر اعظم سے گفتگو

نئی دہلی ۱۰ر اگست۔ معلوم ہوا ہے کہ صدر کانگریس شری کامراج نے آج وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے اردو کو شمالی ہند کی بعض ریاستوں میں دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج کرنے کے مسئلہ پر بات چیت کی۔

بعد میں بہار کے وزیر اعلیٰ شری کے۔ بی۔ سہائے نے صدر کانگریس سے ملاقات کی اور کہا جاتا ہے کہ انھوں نے بہار میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لیے فوری اقدامات پر زور دیا۔

شری سہائے نے وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے بھی اس سلسلے میں ملاقات کی۔

معلوم ہوا ہے کہ صدر کامراج اور وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی دونوں نے خیال ظاہر کیا کہ اس مسئلے پر ایک جلسہ میں غور و خوض کیا جانا چاہیے جس میں اتر پردیش اور بہار کے وزراء اعلیٰ اور دہلی کے نمائندے بھی شریک ہوں۔

وزیر اعلیٰ بہار چونکہ آج ماجد صاحب سے پٹنہ واپس ہو رہے تھے اس لیے توقع ہے کہ اس مسئلے پر غور و خوض کے لیے عنقریب کوئی تاریخ مقرر کی جائے گی۔

(قومی آواز)

اردو کو بہت جلد اس کا حق ملنے والا ہے

جناب جعفر امام اور جناب انصاری کا اعلان

پٹنہ ۱۹ر اگست۔ انجمن ادب سلطان گنج پٹنہ ۶ کا سالانہ جلسہ و مشاعرہ بڑے اہتمام اور اختتام سے پٹنہ ٹریننگ اسکول میں منعقد ہوا۔ اراکین انجمن ادب نے مہمانوں کے لیے شاندار عصرانہ کا انتظام مرصع کمرہ میں کیا تھا عصرانہ دینے والوں میں سلیقہ بھی نظر آیا اور شعور بھی عصرانہ کے بعد اعلیٰ قسم کے وسیع ڈائس پر علمائے دین، شعرائے کرام اور پروفیسر و دیگر ہستیاں تشریف فرما تھیں۔

جلسہ کے افتتاح کے لیے ڈاکٹر سید محمد صدر الدین، فضا شمسی، صدر شعبۂ اردو نے جناب سید جعفر امام صاحب کا نام پیش کیا، اور اس کی تائید ہوئی۔ جناب جعفر امام صاحب نے جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے اردو زبان کی ترقی و توسیع اور بقا کے لیے نکات بیان کیے اس کے بعد مشاعرہ کی صدارت کے لیے جناب ہارون رشید صاحب مدیر اعلیٰ "امروز" پٹنہ نے جناب عبد القیوم انصاری صاحب کا نام پیش کیا اور جناب وفا ملک پوری مدیر "صبح نو" نے اس کی تائید کی۔

اس کے بعد معتمد انجمن ادب نے روئداد سنائی اور پھر مشاعرہ کا آغاز جناب بکش عظیم آبادی کے کلام سے ہوا۔ اس کے بعد جناب کیف عظیم آبادی، ڈاکٹر سہیل احمد رضوی ہمدم، محمد مجیب ایڈووکیٹ، معصوم شرقی، اتیمز شاکر خلیق، ڈاکٹر محمد صدیق اشرف، رمز عظیم آبادی، ڈاکٹر کلیم الدین احمد، وفا ملک پوری، پروفیسر سید حسن تنیہ، ڈاکٹر صدر الدین فضا، جوہر نظامی، پروفیسر عطا کاکوی، قیوم خضر، جناب رامیشور پرشاد گوہر، وغیرہ نے سامعین کو اپنے کلام سے محظوظ فرمایا۔ شرکت کرنے والوں میں پروفیسر پی۔ ان شرما ایم ایل سی، بیگم زہرہ کلیم ایم۔ ایل۔ اے، ڈاکٹر سید اختر اورینوی، ڈاکٹر سید عبد المجید پرنسپل کامرس کالج، پروفیسر ذکی اختر ہاشمی، مولانا حفیظ الرحمن پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ، ڈاکٹر مسعود الرحمن، ڈاکٹر اسد احمد ملک، ڈاکٹر سیتا رام پوددار، محمد شہاب الدین آئی۔ ایف۔ ایس، جناب حسن عظیم آبادی اور جناب شمائل نبی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مشاعرہ کی کارروائی ختم ہونے کے بعد جناب عبد القیوم انصاری صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ اردو کا حق ہندوستان میں بہت جلد ملنے والا ہے۔ اس کے لیے فضا خوشگوار ہوتی جا رہی ہے۔ انھوں نے بحرانی اقدام سے منع کیا جس سے اردو کی ترقی کو نقصان پہونچے گا۔ آپ نے اردو کے سلسلہ میں بڑی پُر مغز اور جامع تقریر کرتے ہوئے اس مشاعرہ کو اس لحاظ سے تاریخی مشاعرہ قرار دیا کہ جہاں رات گئے بجے تک سامعین نے جن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہی تھی نہایت ہی صبر و سکون اور سنجیدگی سے شعرائے کرام کے کلام کو سنا اور انجمن ادب کو زیادہ کام کرنے کے لیے مبلغ ۲ سو روپے گرانٹ کا اعلان کیا آخر میں جناب سید احسن المظفر صاحب منیر پٹنہ کارپوریشن نے تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا اور انجمن ادب کا یہ جلسہ نہایت ہی حسن و خوبی کے ساتھ ۱ بجے شب میں ختم ہوا۔

(روشنی)

مڈل اسکول کے امتحانات میں اردو میں بھی سوال دیئے جائیں گے

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے صدر کے نام وزیر اعلیٰ کا مکتوب

مائی ڈیر مسٹر نثار احمد خاں

آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کی یادداشت پر بہار اسکول ایگزامینیشن بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ غیر لسانی پرچے کے سوالات اردو میں بھی دیے جائیں۔

آپ کا خیر اندیش

(کے۔ بی۔ سہائے)

(روشنی)

وِدربھ میں انجمن ترقی اردو کی پانچ نئی شاخوں کا قیام

ناگپور۔ فیض انصاری صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو ودربھ نے ۱۰ر اگست سے ۱۶ر اگست تک ودربھ کا ہنگامی دورہ کیا اور ترویج اردو کے سلسلہ میں مختلف مقامات پر معزز شخصیتوں سے ملاقات کی انھوں نے ودربھ کے اس مختصر سے دورے میں انجمن ترقی اردو کی پانچ نئی شاخیں قائم کیں جو کہ سارے ملک کے لیے ایک مثال ہے انھوں نے اپنے اس دورے میں امراوتی، اکولہ، ایوت محل، اچلپور، کھولاپور، ناندورہ، بلوبیرہ کے اردو داں حضرات سے ملاقاتیں کیں اور جلسوں میں تقریریں کیں پانچ شہروں میں انجمن کی حسب ذیل شاخیں قائم کیں اور کنوینر مقرر کیے۔

(۱) امراوتی:۔ جناب ہمایوں اقبال مرزا ایڈووکیٹ کنوینر۔

(۲) ایوت محل:۔ جناب عثمان علی خاں صاحب بی۔ اے کنوینر۔

(۳) اچلپور:۔ قاضی ذوالفقار علی صاحب خطیب خورشید عبد الجبار خاں صاحب

سکریٹری (۴) کھرار پور، جناب سید نظیر علی صاحب ایم۔ اے کنوینر (۵) نانڈیڑ، جناب معین آزاد صاحب کنوینر۔ متذکرہ بالا تمام اڈہاک کمیٹیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ۱۵ ستمبر تک ممبر سازی کرکے باقاعدہ انجمن کی تشکیل کریں۔

فیض انصاری صاحب نے امید ظاہر کی ہے کہ وہ رکھوارہ وکانفرنس جو ماہ نومبر میں ہوگی اس سے پہلے بلڈانہ، اکوٹ، بدنیرہ، پوسد، نیرپور، شہجہ سنگرول، پیرجملکر، منگرپور، بھنڈارہ، وردھا، گوندیا وغیرہ میں انجمن کی شاخیں قائم ہوجائیں گی۔ (الجمعیۃ)

پنجابی صوبہ میں انجمن ترقی اردو کی اڈہاک کمیٹی مقرر کردی گئی

علی گڑھ ۲۳ راگست۔ پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) نے پنجاب کی نئی لسانی تقسیم کے پیش نظر پنجابی صوبہ میں انجمن ترقی اردو کی اڈہاک کمیٹی مقرر کردی ہے۔ اس اڈہاک کمیٹی کے کنوینر محمد کفایت اللہ صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول مالیر کوٹلہ ہوں گے۔

کنوینر صاحب انتظامی سہولت کے پیش نظر کسی موزوں مقام اور تاریخ میں ان تمام اراکین کا جلسہ طلب کریں گے اور اس جلسے میں صدر، سکریٹری وغیرہ عہدہ دار معروف طریقوں پر منتخب کیے جائیں گے۔ اس طرح ایک ریاستی اڈہاک کمیٹی بن جائے گی۔ یہ کمیٹی شاخوں کے ضمنی قواعد کے مطابق ریاستی شاخ ترتیب پاجانے کے بعد ختم ہوجائے گی۔

کنوینر صاحب اڈہاک کمیٹی کے اراکین کا جلسہ ختم ستمبر ۶۶ء سے پہلے لازمی طور پر کرلیں گے۔

اڈہاک کمیٹی کے اراکین مندرجہ ذیل حضرات مقرر کیے گئے ہیں۔

(۱) ایس گیان سنگھ راڑی والا (۲) مہر چند آہوجہ (۳) سوریج تنویر (چنڈی گڑھ) (۴) ایس کرپال سنگھ بیدار (۵) جناب نوبہار صابر (۶) بیج دت رائے ساحر ناسی (پٹیالہ) (۷) نریش کمار نریش (۸) نور محمد فاروقی (۹) محمد کفایت اللہ (مالیر کوٹلہ) (۱۰) رام رتن بھاردواج سہیل اعظمی (نابھہ) (۱۱) مہر چند کوثر (برنالہ) (۱۲) چند رشیکھر آزاد (۱۳) شری موہن سنگھ لال سنگھ (۱۴) پروفیسر اے۔ سی۔ بہار (لدھیانہ) (۱۵) اختر رضوانی (۱۶) خدا بخش (۱۷) عبدالحق برق (۱۸) ایس سادھو سنگھ ہمدرد (۱۹) ڈیس راج سنگر (۲۰) پنڈت رگھوبیر داس ساحر سیالکوٹی (جالندھر) (۲۱) پریم کمار نظر (۲۲) ست پرکاش سالک (ہوشیار پور) (۲۳) ایس پورن سنگھ ہنر (امرتسر) (۲۴) پروفیسر پی۔ ایل۔ رتن (کھنہ) اور (۲۵) ایس سنگھ شائق (فرید کوٹ)

(نامہ نگار "ہماری زبان")

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن کے زیر اہتمام ادبی محفل کا انعقاد

اورنگ آباد (ڈاک سے) انجمن ترقی اردو ہند اورنگ آباد کی جانب سے ۱۳ راگست کی شب میں ممتاز افسانہ نگار پروفیسر جوگندر پال کے نو تعمیر شدہ خوب صورت بنگلے میں ایک مخصوص ادبی نشست کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس کامیاب اور معیاری ادبی محفل کا انعقاد جناب میر ہاشم صدر میونسپل کونسل پربھنی کے اعزاز میں عمل میں آیا تھا۔ جو نہ صرف انجمن کے ایک کارکن عہدہ دار ہیں بلکہ اردو کے جواں سال شاعر بھی ہیں۔

اس ادبی نشست کی خصوصیت یہ تھی کہ جہاں بزم شعروسخن سجائی گئی وہیں داستان گوئی کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ اس ادبی محفل میں اردو کے ممتاز شعرا جناب یعقوب عثمانی، جناب قاضی سلیم، جناب بشر نواز، جناب فضل جعفری جناب قاضی فصیح الدین کے علاوہ مہمان خصوصی جناب میر ہاشم کے کلام کو دلچسپی اور انہماک سے سنا گیا۔ بعد ازاں جوگندر پال نے اپنا مشہور افسانہ "اسٹیل بے بی" اور ناصر فاروقی نے ایک انشائیہ "صدارت" سنایا۔ یہ ادبی نشست جناب اثر فاروقی معتمد انجمن ترقی اردو ہند اورنگ کے شکریہ پر اختتام کو پہنچی۔ (ا۔ ن۔ س)

بھیمڑی میں یوم آزادی کا شاندار مشاعرہ

۱۵ راگست ۱۹۶۶ء کو یوم آزادی کی خوشی میں بھیونڈی نظام پور میونسپلٹی کی جانب سے شب میں ایک نہایت شاندار اور کامیاب مشاعرہ منعقد ہوا۔ جناب ظفر الاسلام صاحب ہیڈ ماسٹر رئیس ہائی اسکول نے صدارت فرمائی۔

جناب نجم الدین نقیب نے شعراء اور مہمانان کو خوش آمدید کہا۔ اور آپ نے اپنی استقبالیہ تقریر میں آئندہ مشاعروں کی بھی یقین دہانی کرائی۔ جناب ڈاکٹر منظری نے ایک بصیرت افروز تقریر کی۔ جناب صدر نے میونسپل اراکین کی پرائمری مدارس سے دلچسپی کو سراہا اور ایک سنٹرل لائبریری جلد از جلد قائم کرنے پر زور دیا۔

مشاعرہ میں مرہٹی ہندی اور اردو شاعروں کا کلام پیش کیا گیا۔

تمام مہمانوں کی بڑی پرتکلف ضیافت کی گئی۔ میونسپلٹی نے اس سے پہلے بھی ۱۵ راگست کے موقع پر اور صد سالہ جشن کے موقع پر بھی مشاعروں کا انعقاد کیا تھا۔ (مومن یوسف حسن سکریٹری انجمن ترقی اردو بھیمڑی)

جودھپور میں یوم آزادی پر مشاعرہ

۱۵ راگست ۱۹۶۶ء کی شب کو انجمن ترقی اردو جودھپور کی جانب سے میونسپل ہائی اسکول جودھپور میں یوم آزادی کے سلسلہ میں ایک مشاعرہ زیر صدارت جناب ہیتو دان صاحب اوجول، صدر انجمن ہذا منعقد ہوا۔

اس مشاعرہ میں مقامی شعراء کے علاوہ بیرونی شعراء نے "آزادی" پر اپنا کلام سنایا۔ بیرونی شعراء میں جناب موسیٰ اجمیری، جناب طالب چند راہی بیکانیری، جناب شاد ٹونکی، جناب عابد کیمی ذہین ذکر ہیں۔ جو اس مشاعرہ میں شرکت کے لیے مدعو کیے گئے تھے۔ کلکٹر جودھپور وغیرہ معززین شہر ایک بجے کے بعد تک شریک رہے۔ آل انڈیا ریڈیو نے اس مشاعرہ کو ریکارڈ کیا جو آل انڈیا ریڈیو جے پور سے نشر کیا جائے گا۔ (حمید اللہ خاں، سکریٹری انجمن ترقی اردو جودھپور)

تبصرے

خلیل الرحمٰن اعظمی

حرف حرف

مصنف :- فیض احمد فیض

ناشر :- کتاب کار پبلیکیشنز - رام پور

قیمت :- تین روپے

"میرا ساحل اب سامنے آچکا ہے۔ میری کشتی کے بادبان پھیلتے جا رہے ہیں لیکن ڈوب جانے سے پیشتر یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں اطمینان سے مروں گا اور محض اس بنا پر کہ اردو ادب کے ایک ملاح کو اپنے پیچھے چھوڑے جا رہا ہوں اور اس ملاح کا نام ہے فیض"

(جوش ملیح آبادی - افکار فیض نمبر)

فیض کے سوا اردو میں اور کتنے خوش نصیب شاعر ہیں جن کا ان کے بزرگ معاصرین نے اس طرح کھل کر اعتراف کیا ہے۔ یہ اعتراف کسی ایسے ویسے شاعر کا نہیں ہے بلکہ شاعر اعظم "جوش" کا ہے جو خود اپنے قول کے مطابق گذشتہ نصف صدی سے گرجتی ہوئی شہرت کے مالک رہے ہیں اور آج بھی ہندوستان و پاکستان کی محراب ان کے نام سے گونجی ہوئی ہے۔

شعر کہنے والوں اور شعر پڑھنے والوں کی نئی اور پرانی نسل میں فیض کو جو مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل رہی ہے اس کا ایک سبب تو ان کی دلنواز شخصیت ہے دوسرے ان کے لہجے کی غنائیت اور حلاوت۔ ان کی غنائی شاعری کو تب و تاب ملی ہے ان کے اس اسلوب بیان سے جس میں روایت اور جدیدیت کا عجیب و غریب امتزاج ملتا ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں اور غزلوں میں مشرق اور مغرب کی شعری موسیقی کو ملا کر ایک ایسا آہنگ پیش کیا ہے جو ہمارے حواس کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا فیض دور حاضر کے ان معدودے چند شعرا میں ہیں جن کے کلام کا جادو ان قارئین پر بھی چلتا ہے جو شاعر کے نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں رکھتے۔

فیض کا پہلا مجموعہ کلام نقش فریادی ۱۹۴۱ء میں شایع ہوا تھا۔ اس کے بعد ان کے تین مجموعے اور شایع ہوئے، دست صبا ۱۹۵۲ء میں زنداں نامہ ۱۹۵۶ء میں اور دست تہ سنگ ۱۹۶۴ء میں۔ ان مجموعوں کے بھی کئی کئی ایڈیشن اصلی اور جعلی شایع ہو کر عوام کے ہاتھوں میں پہنچتے رہے ہیں۔ رام پور سے کتاب کار پبلیکیشنز نے جیبی کتابوں کی طرز پر معیاری کتابوں کے سستے ایڈیشنوں کا جو سلسلہ شروع کیا ہے زیر نظر مجموعہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے جسے فیض کا کلیات سمجھنا چاہیے۔ اس کلیات میں جس کا نام "حرف حرف" بہت موزوں ہے ان کے سب مجموعوں کو یکجا کر دیا گیا ہے اس کے علاوہ ان نظموں، غزلوں اور گیتوں کو بھی شامل کر دیا گیا ہے جو اب تک کسی مجموعے میں شامل نہ تھے۔

یہ مجموعہ صرف اس لیے قابل قدر نہیں ہے کہ اس میں فیض کا سارا کلام یکجا کر دیا گیا ہے اور اسے محض تین روپے میں حاصل کیا جا سکتا ہے بلکہ اس لیے بھی کہ اس کی طباعت بہت اچھی ہے اور کتابت کی غلطیاں بھی نہیں ہیں۔ کتاب کار کی شایع کردہ دوسری مطبوعات میں بھی یہ خصوصیت برقرار رکھی گئی ہے۔

چھیڑ غالب سے چلی جائے

مرتبہ :- اکبر علی خاں

ناشر :- کتاب کار، رام پور

قیمت :- تین روپے

یوں تو غالب اور غالبیات سے متعلق اب تک اردو میں سیکڑوں کتابیں شایع ہو چکی ہیں لیکن اس کتاب کے مرتب نے غالب سے متعلق ایک نئے گوشے کی نشاندہی کی ہے۔ اس مجموعے میں غالب سے متعلق وہ تمام تحریریں جمع کر دی گئی ہیں جس میں "تحقیق و تنقید" کی بوجھل فضا سے نکل کر لکھنے والوں نے غالب کی شخصیت یا ان کے فن کے کسی پہلو کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے یعنی افسانوی، ڈرامائی، مکالماتی، طنزیہ، مزاحیہ مضامین اور فیچر، خاکے، انشائیہ اسی قبیل کے ہلکے پھلکے اور رنگا رنگ انداز میں غالب کی تصویر ابھاری گئی ہے۔ لکھنے والوں میں عام طور پر ایسے لوگ ہیں جن کی حیثیت مسلم ہے اور جو لوگ عام طور پر معروف نہیں ہیں، انھوں نے بھی غالب کے وسیلے سے اپنی غیر معمولی ذہانت و صلاحیت کا ثبوت دیا ہے۔

چند لکھنے والوں کے نام یہ ہیں۔ سعادت حسن منٹو، ڈاکٹر تاثیر، آل احمد سرور، ڈاکٹر محمد اشرف، فراق گورکھپوری، کنھیا لال کپور، حاجی لق لق، عابد علی عابد، حمید احمد خاں، وقار عظیم، ہری چند اختر، حزب اللہ اور فیاض عالم ولی اللّٰہی وغیرہ۔

بقول مرتب ان مضامین کے مطالعے سے ایک عام قاری جو تحقیق، تنقید اور سوانح کے خشک اوراق سے نہیں گزر سکتا غالب کے بارے میں بہت کچھ جان بھی لیتا ہے اور تازہ دم بھی رہتا ہے۔

اکبر علی خاں نے ان مضامین کو پرانے اخبارات و رسائل سے اکٹھا کرنے اور انھیں ایک لڑی میں پرونے کے سلسلے میں بڑی محنت کی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ یہ کتاب شیدائیان غالب کے لیے ایک خوبصورت تحفہ ثابت ہوگی۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ پرنٹر شمیم الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوایا اور ندیم حسن پبلشر نے مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا